دبستان لکھنؤ

دبستان لکھنؤ اردو کی شعری روایت کو ہر اعتبار سے نیا رنگ و آہنگ اور نئے زمین و آسمان کی ترقی، عطا کرنے میں اپنا نظیر نہیں رکھتا ہے۔ دبستان اردو یعنی دبستان لکھنؤ سے مراد اردو شعر و ادب کے ایک مرکز سے ہے اور لکھنویت سے مراد شعر و ادب کی اس مخصوص رجحان سے ہے جو اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے دوسرے ادبی مرکز کے رجحانات سے علیحدہ ہے۔ دبستان لکھنو میں شعر و ادب کا یہ مخصوص رنگ دراصل سلطنت اودھ کے سیاسی حالات، معاشی معاملات، تہذیبی کیفیات اور معاشرتی ماحول کی انفرادیت کے اثرات کا نتیجہ ہے۔ غالباً یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ شاعری اور ادب جہاں اپنے طور پر اثر انداز ہوتے ہیں وہیں اپنے ماحول سے رسم و رواج، طور و طریقہ سے اثرات قبول کرتے ہیں۔

اردو ادب میں لکھنو کی مخصوص انفرادیت اور اس کا آغاز اورنگ زیب کی وفات کے بعد اور مغلیہ سلطنت کے زوال سے ہوتا ہے۔ محمد شاہ رنگیلے کے انتقال کے بعد سے برہان الملک نے ۱۸۲۶ء میں دربار دہلی کے زیر سایہ سلطنت اودھ کی بنیاد ڈالی۔ فیض آباد کو آباد کیا اور اپنی سیاسی سوجھ بوجھ اور انتظامی خصوصیات سے نئی حکومت کو بہت جلد مضبوط بنا دیا۔ ان کے بعد یہ حکومت دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی رہی۔ اس خاندان کے دس افراد نے ۱۸۵۶ء تک یہاں حکمرانی کی۔ شجاع الدولہ نے لکھنؤ کو آباد کیا اور نواب آصف الدولہ نے اسے اودھ کو دار الخلافہ بنا دیا۔ دہلی کے زوال پر ہر حکومت کے مقابلے میں سلطنت اودھ میں چونکہ ہر طرح کا اطمینان تھا اور آسودگی میسر تھی اس لیے بہت جلد صنعت و حرفت اور ارباب فضل و کمال کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ اودھ میں امن و امان کا ماحول،

اطمینان کی فضا اور معاشی خوش حالی نے وہاں کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ فارغ البالی نے عیش و راحت کے مواقع اور دولت کی فراوانی نے اس کے اسباب فراہم کیے۔ لکھنؤ میں نئی محفلوں نے زندگی میں سرود و نغمہ کا بازار گرم کر دیا۔ نئی تفریحات اور نئی تقریبات کا زور بڑھنے لگا۔ اسی کے ساتھ شعر و شاعری کے مزاج کو عمومی بنانے میں رقص و سرود کی آراستہ محفلوں نے بڑا رول ادا کیا۔ مشاعرے کثیر تعداد میں منعقد ہونے لگے۔ شعراء کی قدر و عزت بڑھی اور ان کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ چونکہ بادشاہ وغیرہ بھی اس محفلوں میں برابر کے شریک رہتے تھے اور ان کے دربار فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کرتے تھے اس لیے اس رجحان کو اور فروغ حاصل ہوا اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس میں عیش و نشاط کو بڑا دخل تھا۔ اس معاشرے میں ہر دم ماہ جبینوں کی محبت نے ذہنوں کو سخت متاثر کیا۔ عیش پرستی نے وہ راہ پائی کہ زندگی کا کوئی شعبہ اس کی دست رس سے محفوظ نہیں رہا۔ تہذیب سے متعلق ہر پہلو پر اس رنگ کا غلبہ ہو گیا۔ طوائف بازی مہذب ہونے کی دلیل بن گئی اور شاعری آدابِ محفل بن گئی اور ساری زندگی 'آدابِ عرض' میں ڈھل گئی۔ ان تہذیبی حالات اور سماجی ماحول میں شاعری نے نیا رنگ اختیار کیا۔ اس لئے شاعری میں نت نئے تجربات فنکاری اور ہنرمندی دکھانے کے مواقع میسر آئے۔ اس صورت حال کی وجہ سے دبستان لکھنو نے اردو شاعری میں بہت سی خصوصیات پیدا کیں۔

لکھنؤ کے تقریباً تمام شعراء مثلاً مصحفی، ناسخ، آتش، انشاء، جرأت، انیس وغیرہ نے اپنے طور پر اس رنگ کو چمکایا۔ خصوصاً ناسخ نے اصلاح زبان کا بیڑا اٹھایا۔ زبان سے غیر معیاری الفاظ خارج کیے۔ دلکش و دلنشیں الفاظ داخل کیے۔ قواعد کی پابندی کو ضروری قرار دیا۔ جس کی وجہ سے لکھنوی شاعری میں ایک نیا رنگ و آہنگ پیدا ہو گیا۔

لکھنو کے دبستان میں شاعری کے اندر جذبات کی پاکیزگی، صداقت اور جذبات کی گہرائی، زبان کی متانت کی جگہ شدت جذبات اور سطحی احساسات کو اہمیت دی گئی۔ عشق نے داخلی کیفیت کے اظہار کے بجائے خارجی معاملات کو بیان کی جگہ دے دی

اور ایک فن کی شکل میں اس رویے کو اختیار کیا گیا۔ معاملہ بندی کو اولیت دی جانے لگی۔ جس کی وجہ سے منطقی طور پر شاعری کی تمام اصناف میں گراوٹ آ گئی اور اسی لیے خیالات و جذبات کے اظہار کو بہت کھل کر سطحی بنا دیا گیا۔ خارجی معاملات کے مبتذل رجحان کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی۔ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ لکھنوی شعراء اپنی داستانِ عشق کو فرضی صنف نازک کی آڑ لے کر بیان کرنے کے بجائے صنف نازک کی زبان میں اظہار عشق کے قائل ہو گئے۔ جس کی وجہ سے ریختی کی صنف وجود میں آئی۔ اس صنف کی مقبولیت نے عام خیالات اور زبان کو بھی سطحی بنا دیا۔ مضامین کے غیر حقیقی پہلو بیان کرنے کے لیے زبان کو عالمانہ بنانے کا شوق عام ہو گیا۔ اسی لیے زبان دانی کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے گئے۔ قدرتِ بیان کا ثبوت دینے کے لیے نئے نئے فنکارانہ جوہر دکھائے گئے۔ اس کے علاوہ شاعرانہ قابلیت اور صلاحیت کا معیار عربی و فارسی تراکیب، تشبیہات اور استعارے کو بنایا گیا۔ زبان و بیان کی آرائش و زیبائش پر بے پناہ توجہ دی گئی اور تکلف و تصنع کے ساتھ مبالغہ آرائی کو ایک فنی خوبی بنا دیا گیا۔

دبستان لکھنو میں چونکہ شاعری پر تکلف ماحول اور مصنوعی زندگی کے درمیان ارتقاء حاصل کر رہی تھی۔ اس لئے یہ عناصر اس میں بڑی شدت کے ساتھ داخل ہوئے۔ مقامی تہذیب کے جمالیاتی تصورات کو صنعت گری کی شکل دے کر لکھنوی شعراء نے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ خیال آفرینی اور تصور پرستی کا جو رویہ ایرانی شاعری کے ذریعہ ان تک پہنچا تھا اسے مستقل شکل دے دی گئی۔ جس کی وجہ سے اشعار کو مرصع کرنے کے لیے دل کھول کر فارسی، عربی الفاظ و تراکیب کا استعمال کیا گیا۔

متقدمین شعراء نے اپنے کلام کی بنیاد واقعیت اور جذبات کی پاکیزگی بیان کی خوبی کے ساتھ مضامین کی بلندی پر رکھی تھی۔ لکھنوی شعراء نے اس کی ضد میں ایک دوسرا رنگ ایجاد کیا۔ خارجی تعلقات اور حسن کے بناوٹی تصورات پر اپنی توجہ صرف

کردی۔ اپنے اس رویے کو اتنی شدت دے دی کہ شاعری محض لوازمات حسن کے بیان کا وسیلہ بن کر رہ گئی۔

لکھنوی شعراء کی مذکورہ خصوصیاتِ شاعری نے ایک دبستان کی شکل اختیار کرلی۔ جسے ہم ایک جداگانہ ہیجان بھی کہہ سکتے ہیں۔ جس نے بہت سی خامیوں کے باوجود کئی ایسے ارتقائی پہلوؤں کو بھی ایجاد کیا جنھیں دیگر دبستانِ شاعری ایجاد نہیں کر سکے تھے۔ مثلاً یہاں کے شعراء نے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی جو کوشش کرتے رہے اس نے شاعری میں نئے نئے تجربات کرنے کی طرف مائل کیا اور مختلف اسالیب بیان پیش کیے گئے۔ نئے نئے الفاظ، تراکیب، اصطلاحات، تشبیہات و استعارات سے اردو زبان کا دامن مالا مال ہوا۔

لکھنوی شعراء نے زبان و بیان پر جو توجہ دی اس کی وجہ سے شاعری میں ایک انقلاب پیدا ہوا۔ صفائی، شائستگی کی وجہ سے زبان کی اصلاح ہوئی۔ اردو ادب کو بہت سے محاورے میسر ہوئے۔

اردو شاعری میں مختلف اصناف بالخصوص مرثیہ گوئی اور مثنوی نگاری کو ترقی حاصل ہوئی۔ وہاں کے ماحول اور عقائد نے مرثیہ گوئی کو ایک قابل ذکر و احترام صنف کا درجہ دلا دیا۔ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ اردو ڈرامے کے ارتقاء نے اردو ادب کو قابل ذکر بنایا۔ ''اندر سبھا'' لکھنوی ماحول ہی کی دین ہے۔

اختصار میں مجموعی طور پر دبستانِ لکھنو میں بہت سی خوبیاں اور بہت سی خرابیاں موجود ہونے کے باوجود اردو زبان اور اردو شعر و ادب کی جو اہم خدمات انجام پائیں انھیں نظر انداز کرنا اردو ادب کی تاریخ سے چشم پوشی کرنے کے مترادف ہوگا۔

یہ بات بھی مبالغہ پر مبنی نہیں ہوگی کہ آج بھی اردو کی شعری روایت میں دبستانِ لکھنو کی صدائے بازگشت مترنم لہروں کے ساتھ موجود ہیں۔